انسانی سمگلنگ

تحریر: سہیل احمد لون

سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والا ویڈیو کلپ جس میں ترکی کے راستے یورپ جانے والے نوجوانوں پر بدترین تشدد ہوتا دکھایا گیا تا کہ ان کے گھر والے ان کی رہائی کے لیے منہ مانگی رقم ان ظالم درندوں کو بھیج سکیں۔ پاکستانی میڈیا پر بھی یہ خبر لیڈ سٹوری بنا کر چلائی گئی جس کے بعد حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہونے والوں کے گھر والوں سے بھی رابطہ کیا گیا اور خبر کی صداقت میں کوئی شبہ نہ رہا۔ پاکستانی حکام نے بھی ان کی مدد کرنے کی حامی بھر لی اور پھر دیکھتے دیکھتے سب کچھ بازیاب ہو گیا۔ یہ چیز انسانی جبلت میں شامل ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو کسی جگہ پر محفوظ تصور نہ کرے، اپنی نسل کے مستقبل کو محفوظ نہ سمجھے جس کے محرکات چاہے سیاسی ہوں یا معاشی تو انسان بہتر سے بہترین کی تلاش میں نقل مکانی، جلاوطنی یا پردیس میں جہاں زندگی کو گزارنے کے اچھے مواقع نظر آتے ہوں جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں سب سے اچھا ملک اپنا دیس، سب سے پیارا اپنا ہی صوبہ، زیادہ اپنائیتا اپنے شہر اور دل کے قریب ترین اپنا محلّہ اور سوچ کا محور اپنا گھر ہی ہوتا ہے مگر اس کے باوجود یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسان کو "اپنے گھر" کو کسی نہ کسی دن چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ گزشتہ تین چار دہائیوں میں نقل مکانی یا اپنا گھر بار چھوڑنے والوں کی تعداد میں ریکارڈ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جن میں زیادہ تعداد ان ممالک کی ہے جہاں حالات سازگار نہیں۔ کچھ ممالک میں جنگ یا خانہ جنگی مسلط کی گئی ہے اور کچھ میں دہشت گردی اور بنیادی سہولیات کا فقدان اور عدم تحفظ لوگوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور رہا ہے۔ بدقسمتی سے ان ممالک میں زیادہ تعداد مسلم ممالک کی ہے۔ اب تو ان میں وہ ممالک بھی شامل ہو چکے ہیں جن کا معاشی اور سوشل نظام یورپ اور برطانیہ سے بھی بہتر تھا مگر ان کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لئے طاقتور ممالک کوئی اخلاقی یا قانونی جواز بنا کر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور اُس کے بعد وہاں کے باشندوں کو بھی در بدر ہونا پڑتا ہے جس کی مثالیں لیبا، شام، عراق جیسے ممالک ہیں۔ پاکستان سے بھی اس وقت ساڑھے سات لاکھ افراد بیرون ممالک کسی نہ کسی مجبوری کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو بیرون ملک پہنچنے کے لئے غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے منزل مقصد پر پہنچے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملکی حالات عام انسان کے لیے ابتر ہوتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے بیرون ملک جانے والے خواہش مندوں کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنر مند ہیں مگر ان کو روزگار کے مناسب مواقع فراہم نہیں ہوتے اور بدقسمتی سے ان کی صلاحیتوں سے بھی غیر ممالک مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ بھی قدرتی امر ہے جس چیز کی طلب بڑھ جائے کاروباری ذہن رکھنے والے اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ملک سے باہر بہترین مستقبل کی تلاش کا خواب آنکھوں میں سجائے خصوصاً نوجوان طبقے کو اکثر ایسے فراڈیے مل جاتے ہیں جو ان کے سامنے وہ ایسی بین بجاتے ہیں کہ وہ مست ہو کر خوابوں کی تعبیر دیکھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی اپنا گھر گروی رکھتا ہے، کوئی بیوی کا زیور، تو کسی کا باپ اپنی زندگی کی جمع پونجی اپنے بیٹے کی خوشی کی خاطر قربان

کر دیتا ہے' تو کوئی سود پر قرضہ لینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یہ خواب اس وقت آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں جب بندہ کسی انسانی سمگلر یا فراڈیئے کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔عرف عام میں ان کو ایجنٹ کہتے ہیں پنجاب کی زرخیز زمین میں ایسے ایجنٹوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے خاص طور پر جہلم، منڈی بہاؤالدین، چکوال، لاہور، گوجرانوالہ' گجرات اور فیصل آباد میں ان کے کافی گروہ منظم طریقے سے کام کر رہے ہیں۔بیرون ممالک جانے کے خواہش مند سفارت خانوں سے جا کر ویزا لینے کی جرات نہیں کرتے اس لئے اپنے شکار کے پاس چل کر خود پہنچ جاتے ہیں۔ حالانکہ اب تک ایسی بہت سی داستانیں منظر عام پر آ چکی ہیں کہ لوگوں کو باہر کا جھانسہ دیکر عورتوں کو جسم فروشی اور مردوں کو منشیات کے دھندے میں ملوث کر دیتے ہیں اور اگر کوئی کیس منظر عام پر آ بھی جائے تو ان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا کیونکہ ان کے سر پر قانون کے لمبے ہاتھوں کا سایہ ہوتا ہے۔انسانی سمگلروں کے گروہوں کا بین الاقوامی طور پر آپس میں رابطہ ہوتا ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے تمام شعبہ جات میں اپنے کارندے رکھے ہوتے ہیں جن میں امیگریشن، ایف آئی اے، نادرا، پاسپورٹ کے دفاتر سمیت سفارت خانے کے عملے کے افراد بھی شامل ہوتے ہیں۔کم سنی کے دور میں میں 1990ء میں یورپ جانے کے لیے اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ استنبول گیا تھا جہاں ہمارے ساتھ بھی ہاتھ ہو گیا ہمارے دیسی ایجنٹ نے ہم سے پاسپورٹ اور ڈالر لے لئے اور اس کے بعد وہ کبھی نظر نہ آیا۔ ہم کافی مہینے وہاں غیر قانونی رہے اور کام بھی کرتے رہے۔چند مہینوں بعد یہ پتہ چلا کہ کہ یہاں پر لوٹنے والے اکثریت میں وہ پاکستانی تھے جو پہلے کبھی لٹ چکے تھے یا یہاں کافی پرانے ہو چلے تھے وہ خود تو یورپ نہ جا سکے مگر وہاں کے لوکل ایجنٹوں کو نئے آنے والے بندے فراہم کر کے اپنا حصہ وصول کر لیتے ہیں۔ استنبول سے کئی کئی میل کا سفر پیدل طے کرواتے اور کچھ کشتیوں یا چھوٹی لانچوں پر جس میں وہ لالچ کی غرض سے زیادہ افراد بٹھا دیتے اور کئی کشتیاں راستے میں ڈوب جاتیں، جو یونان تک پہنچ جاتے ان میں سے بھی کئی افراد بارڈر فورسز کی گولیوں یا تشدد کا نشانہ بنتے۔ کچھ خوش قسمت یونان پہنچ جاتے جہاں وہ اس وقت تک دھکے کھاتے رہتے جب تک ان کے پیپرز مکمل ہو کر ان کو لیگل سٹیٹس نہ ملتا۔ وہاں کی شہریت لینے تک کے دشوار سفر میں ان کو سب سے زیادہ برا سلوک کرنے والے ان کے دیسی بھائی ہی ہوتے ہیں جو کافی عرصہ گزار کر وہاں پکے ہو چکے ہوتے ہیں۔ان کو ہوٹلوں بہت کم اجرت پر مزدوری دے کر احسان کیا جاتا ہے۔ ڈھائی دہائیاں گزرنے کے بعد بھی آج تک کچھ نہیں بدلا اس وقت بھی ہزاروں پاکستانی استبول میں کسی نہ کسی طریقے سے یورپ پہنچنے کے لئے کسی بھی قسم کا رسک لینے کو تیار بیٹھے ہیں۔ بنکاک، کوالالمپور، کولمبو، یوگنڈا، استنبول، نیروبی اور دیگر کئی ممالک اور شہروں میں پاکستانوں کی ایک کثیر تعداد اپنا اور اپنی نسل کا مستقبل بہتر کرنے کے لئے دھکے کھا رہے ہیں۔ یورپ، برطانیہ، امریکہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک اپنے بارڈرز پر مزید سختیاں کر رہے ہیں تا کہ لوگ غیر قانونی طریقے سے داخل نہ ہو سکیں اس کے باوجود بھی صرف برطانیہ میں تقریباً سات لاکھ افراد ایسے ہیں جو غیر قانونی رہ رہے ہیں۔جیسے دہشت گردوں کو ختم کرنے سے دہشت گردی ختم نہیں ہوتی، ایسے ہی انسانی سمگلروں کو پکڑنے یا غیر قانونی طور پر ملک میں داخل ہونے والوں کو پکڑنے سے یہ سلسلہ بند نہیں ہو گا اس کے لیے اس وجہ کو ختم کرنا ہو گا جو کسی کو اس کا گھر، شہر اور ملک چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو بھی اس بارے میں سوچنا چاہیے کہ اگر ملک چھوڑ کر جانے کا یہ سلسلہ ایسے ہی رہا تو وہ کن پر حکومت کریں گے؟ اگر بڑی طاقتیں خود غیر قانونی طریقے کو قانونی اور اخلاقی جواز بنا کر کسی ملک پر مل کر

چڑھائی کریں گےتو ظاہر ہے حالت جنگ میں لوگوں نے زندگی محفوظ بنانے کے لئے وہیں رخ کرنا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتے ہونگے۔اگر کسی ملک میں دہشت گردی پروان چڑھا کروہاں خانہ جنگی یا وحشت گردی شروع کروادی جائے تو لوگوں نے تو انہیں مقامات کارخ کرنا ہے جہاں ان کی زندگی محفوظ اور بہتر ہو۔اس کے لئے عالمی طاقتوں سمیت ہمارے حکمران طبقے اور اشرافیہ کو وسائل کی تقسیم مساویانہ اور منصافانہ کرنا ہوگی ورنہ ایسی پرتشدد واقعات کی روک تھام ہونا ممکن نہیں ہوگا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

03-01-2017